© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

النبار العظیم

۹

اب ذکر چل پڑا ہے تو دو تین واقعات اور سن لیجیے۔

کلکتہ مدرسہ سے تھوڑے فاصلہ پر ایک کالج ہے جس کا نام تقسیم سے پہلے اسلامیہ کالج تھا۔ میرے قیام کلکتہ کے زمانہ میں وہ سنٹرل کلکتہ کالج رہا اور اب اس کا نام مولانا آزاد کالج ہے۔ چونکہ اصلاً اسلامیہ کالج تھا اس لئے اس میں ایک مسجد بھی تھی۔ ایک مرتبہ اس کالج کے ہندو طلبا نے درخواست دی کہ جب یہاں ایک فرقہ کی عبادت گاہ موجود ہے تو کیا وجہ ہے کہ دوسرے فرقہ کے طلبا کو پوجا کے دنوں میں مورتی کو کالج کے اندر رکھنے اور پوجا کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔ طلبا نے یہ درخواست پرنسپل کو دی جو اینگلو انڈین تھے اور جن کا نام مسٹر الیف۔ جے۔ فرنیڈ پریرا تھا۔ پرنسپل نے یہ درخواست ڈائرکٹر آف پبلک انسٹرکشن کے پاس بھیجدی جنھوں نے اسے پرنسپل کے پاس یہ لکھ کر واپس کر دیا کہ درخواست کالج کی گورننگ باڈی کے سامنے پیش کی جائے۔ اس معاملہ کی وجہ سے کالج کے ہندو اور مسلمان طلبا میں خاصی کشیدگی تھی اور پرنسپل اور اسٹاف دونوں پریشان تھے۔

بہرحال پرنسپل نے گورننگ باڈی کی میٹنگ طلب کی۔ میں اپنے عہدہ کی حیثیت سے اس کا ممبر تھا۔ ممبروں میں ایک صاحب اور مسلمان تھے جو خان بہادر تھے۔ آخر میٹنگ شروع ہوئی جس کی صدارت بنگال کے ایک مشہور مورخ مسٹر مزمدار کر رہے تھے۔ جب طلبا کی درخواست کا معاملہ زیرِ غور آیا تو متعدد اصحاب نے یہ رائے ظاہر کی کہ قانون کے مطابق گورنمنٹ کے کسی تعلیمی ادارہ میں کوئی عبادت گاہ نہیں ہو سکتی۔ لیکن چونکہ یہاں مسجد پہلے سے موجود ہے اس لئے دوسرے فرقہ کے طلبا کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھی کالج کے اندر اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کا حق ملنا چاہیئے، ورنہ ایک خاص فرقے کے ساتھ امتیازی سلوک ہوگا اور یہ سکولرزم کے خلاف ہے۔ بعض حضرات اس رائے کے مخالف تھے اور وہ سمجھتے تھے کہ اس سے شدید قسم کا فتنہ و فساد پیدا ہو سکتا ہے۔ جب یہ سب گفتگو ہو چکی تو جناب صدر نے مجھ سے کہا کہ آپ کی کیا رائے ہے۔ ہم سب معلوم کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے عرض کیا: بہت خوب، اور تقریر شروع کر دی۔ میں نے کہا: صرف دو باتیں ہیں جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں:

(۱) سب سے پہلے ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس درخواست کا اصل محرک کیا ہے؟ ظاہر ہے اس کا محرک مذہب نہیں ہے۔ کیونکہ ایسا ہوتا تو تقسیم سے پہلے بھی یہ درخواست ہونی چاہیئے تھی اور اب اگر ہوئی ہے تو اس کالج کی ہی کیا تخصیص ہے۔ دوسرے کالجوں میں بھی پوجا کا مطالبہ ہونا چاہیئے تھا۔ حالانکہ کسی گورنمنٹ انسٹیٹیوشن میں ایسا نہیں ہے۔ اس بنا پر اس درخواست کا محرک بجز اس کے کوئی چیز نہیں ہے کہ تقسیم کے نتیجہ میں جو حالات پیدا ہوئے ہیں ان کی وجہ سے اکثریت کے فرقہ میں اقلیت کی طرف سے بددلی اور بیزاری کا جذبہ ہے اور اسی جذبہ کی تسکین کے لئے اکثریت اقلیت کی ضد میں وہ کام کرنا چاہتی ہے جس سے اقلیت کو ناگواری کا احساس ہو۔ اگر واقعی درخواست کا محرک یہی جذبہ ہے تو میں نہایت ادب اور اخلاص سے عرض کروں گا کہ ہم لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اپنے نوجوانوں میں اس جذبہ کی حوصلہ افزائی نہ کریں اور اس کے بجائے باہم رواداری اور ایک دوسرے کے ساتھ لحاظ اور پاسداری کی اسپرٹ پیدا کریں۔ یہی چیز ہمارے ملک اور وطن کے لئے سود مند ہو سکتی ہے۔ (۲) دوسری چیز معاملہ کا قانونی پہلو ہے۔ درخواست میں مسجد کا حوالہ دیا گیا ہے میں عرض کروں گا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ مسجد تقسیم سے پہلے موجود تھی اور حکومت نے جب کالج کو اپنے قبضہ میں لیا تھا تو اس شرط کے ساتھ لیا تھا کہ کالج میں اس وقت جو چیزیں موجود ہیں اور اس کی جو روایات ہیں وہ قائم رہیں گی۔ علاوہ ازیں گورنمنٹ کا یہ سرکلر ہے کہ اگر کسی سرکاری تعلیم گاہ میں کسی فرقہ کے طلبا عبادت کرنا چاہیں تو وہ اس وقت تک ایسا نہیں کر سکتے جب تک کہ دوسرے فرقہ کے طلبا میں سے ۲/۳ طلبا اس پر معترض نہ ہوں اس لئے اگر ہندو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طلبا یہاں مورتی رکھنا اور پوجا کرنا چاہتے ہیں تو دو تہائی مسلمان طلبا سے اس کی رضامندی حاصل کرنا ضروری ہے۔ اور اس کے یہ معنی ہیں "کہ گورننگ باڈی بحالتِ موجودہ اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ طلبا کی درخواست کو منظور کرلینے کا فیصلہ کرسکے"۔ میں نے جو کچھ کہا تھا نرم لہجہ میں متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کہا تھا۔ لب و لہجہ میں نہ گھبراہٹ تھی اور نہ چڑچڑاپن۔ میں دس یا بارہ منٹ بولا ہوں گا۔ سب نے بڑی توجہ اور خاموشی سے سنا۔ جب میں تقریر کرچکا تو جناب صدر نے مسرت کا اظہار کرتے ہوئے میرا شکریہ ادا کیا اور اس بات کا اعتراف کیا کہ میری تقریر سے ان کے سامنے معاملہ زیرِ بحث سے متعلق بعض اہم پہلو آئے ہیں اور آخر اس کے مطابق رزولیوشن منظور ہوگیا۔ اب سب لوگوں نے چائے پی اور میٹنگ ختم ہوئی۔ میں مغرب کی نماز پڑھنے کے لئے ذرا ٹھہر گیا تھا۔ جب نماز سے فارغ ہو کر روانگی کا ارادہ کر رہا تھا تو پرنسپل پریرا میرے پاس آئے اور بعد میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے ان کو اور ان کے کالج کو ایک عظیم مصیبت سے بچالیا ہے۔ دوسرے دن کالج کے کچھ ہندو اور مسلمان طلبا اور دو تین اساتذہ بھی میرا شکریہ ادا کرنے کی غرض سے مکان پر آئے۔ یہ ہندو طلبا وہ تھے جو کالج میں کمونسٹ سمجھے جاتے تھے۔

ایک اور واقعہ سنیئے۔ آج کل سکولرزم کی جو تعریف عام طور پر کی جاتی اور سمجھی جاتی ہے اس کے پیشِ نظر کیا کوئی شخص اس کا تصور بھی کرسکتا ہے کہ ہندوستان میں کوئی سرکاری ادارہ ایسا بھی ہے جو صرف مسلمان طلبا کے لئے مخصوص ہے اور کوئی غیر مسلم اس میں داخلہ نہیں لے سکتا! آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ کلکتہ مدرسہ ایک ایسا ہی سرکاری ادارہ ہے۔ اس مدرسہ کے دو جز ہیں۔ ایک شعبۂ عربی جو کالج کی حیثیت رکھتا ہے اور دوسرا ہائی اسکول جو اب ہائر سکنڈری اسکول ہوگیا ہے۔ شعبۂ عربی جس میں اسلامی اور دینی علوم و فنون کی تعلیم ہوتی ہے اس میں تو خیر کوئی غیر مسلم کیوں داخلہ لے گا۔ لیکن ہائی اسکول جس میں ہر کلاس کے دو سکشن ہیں ایک سکشن A اور دوسرا B۔ پہلے میں ذریعۂ تعلیم اردو ہے اور دوسرے میں بنگالی۔ اس میں غیر مسلم طلبا کثرت سے آسکتے تھے۔ لیکن ان کا داخلہ ممنوع ہے اور یہ صرف مسلمان طلبا کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ ایک دن میرے ایک معزز پنجابی ہندو دوست

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میرے پاس آئے اور بولے کہ میں اپنے بچہ کو آپ کے ہائی اسکول میں داخل کرنا چاہتا ہوں کیونکہ ہم لوگوں کی مادری زبان اردو ہے اور پورے کلکتہ میں آپ کے ہائی اسکول کے علاوہ کوئی اور گورنمنٹ ہائی اسکول ایسا نہیں ہے جہاں ذریعۂ تعلیم اردو ہو۔ میں نے کہا: بڑے شوق سے! مجھے ذاتی طور پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن یہ معاملہ ہے قاعدہ اور قانون کا۔ اس لئے ذرا ٹھہریئے میں ابھی ڈی۔ پی۔ آئی کو فون کرتا ہوں۔ اور وہ جو کچھ جواب میں کہیں وہ آپ بھی سن لیجئے۔ چنانچہ میں نے ان کی موجودگی میں ہی فون کیا اور اصل معاملہ بتایا تو انھوں نے جواب نفی میں دیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ ۱۷۸۰ء میں جب وارن ہسٹنگز نے یہ مدرسہ قائم کیا تھا تو اس کے تمام اخراجات وہ اپنی جیب خاص سے پورے کرتا تھا۔ لیکن کم وبیش دو برس کے بعد جب وہ ہندوستان سے واپس جانے لگا تو اپنے ایک نوٹ کے ساتھ مدرسہ گورنمنٹ کے حوالہ کر گیا۔ اس نوٹ میں لکھا تھا کہ مدرسہ مسلمانوں کے لئے مخصوص رہے گا۔ چنانچہ وہ دن ہے اور آج کا دن کہ مدرسہ اپنی اسی خصوصیت کے ساتھ قائم ہے اور چونکہ مغربی بنگال گورنمنٹ اب تک اسی ایجوکیشن کوڈ پر عمل کر رہی ہے جو تقسیم سے پہلے نافذ تھا اور اس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی گئی ہے اس لئے جس طرح پہلے یہ مدرسہ مسلمانوں کے لئے مخصوص تھا ایسا ہی اب بھی ہے۔

اس داستان سرائی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان یہ محسوس کریں کہ اس ملک میں کانٹے ہی نہیں پھول بھی ہیں۔ یہاں رذالت اور کمینہ پن کی گرم ہوائیں ہی نہیں ہیں، بلکہ شرافت اور انسانیت کی نسیم صبح گاہی کے نرم جھونکے بھی چلتے ہیں۔ اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ تعصب نہیں ہے۔ نہیں! ہے اور ضرور ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ تعصب کہاں نہیں ہے؟ مسلمان مسلمان کے خلاف اور ہندو ہندو کے خلاف تعصب رکھتا ہے۔ لیکن چور کی طرح تعصب کے بھی پیر نہیں ہوتے آدمی اگر لائق اور قابل ہو اور اپنا حق وصول کر لینے کا گر بھی جانتا ہو تو تعصب کو لازمی طور پر پسپا ہونا پڑتا ہے۔ برہان کے دیرینہ کرم فرما اور کلکتہ کے نامور تاجر اور انگریزی زبان کے مصنف حاجی محمد سلیمان صاحب واڈا حالیہ مکتوب گرامی میں لکھتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"(میرے لڑکے) عبدالرحمن نے امسال ہائر سکنڈری کا امتحان دیا اور I.I.T. کے آل انڈیا ٹسٹ میں بھی شریک ہوگیا۔ باون ہزار امیدواروں میں اٹھارہ سو طلبا منتخب ہوئے۔ اللہ کا شکر ہے کہ عبدالرحمن بھی انتخاب میں آگیا اور ساتھ ہی اسے Aeronautical Engineering کی سیٹ کی پیشکش ہوئی۔ اس میں صرف ۲۵ سیٹ ہیں حالانکہ ٹسٹ میں .B. Sc پاس لڑکے بھی تھے باایں ہمہ عبدالرحمن کو منتخب کیا گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمیں تو خواب وخیال میں بھی اس کا حوصلہ نہیں ہو سکتا تھا"

اس کے بعد موصوف لکھتے ہیں:

"یہ اطلاع برہان کے نظرات "النبار العظیم" کے ردعمل کے طور پر دے رہا ہوں۔ واقعی مسلمانوں کے ساتھ کوئی خاص تعصب نہیں برتا جاتا۔ اگر ہمارے بچے استحقاق پیدا کریں تو ترقی کی راہیں ان کے لئے مسدود نہیں ہیں۔ مگر سخت افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمانوں میں شکوہ وشکایت کی عادت بہت زیادہ گھر کرگئی ہے۔"

اور صرف شکوہ وشکایت نہیں بلکہ اپنی بے عملی، ناکارکردگی اور نااہلیت کا الزام دوسروں کے سر تھوپ دینے کی خو بھی جڑ پکڑ چکی ہے۔ مسلمانوں کی صحافت اور قیادت کا فرض ہے کہ وہ ان سے اس طرح کی وہ تمام عادتیں ترک کرائیں جو ایک مفلوج، اور مریض قوم کی علامت ہوتی ہیں۔

بہر حال مسلمانوں کو خود اعتمادی اور حوصلہ مندی کے ساتھ اپنی تعمیر واصلاح کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے اور بے یقینی اور تردد وتذبذب کی ذہنی کیفیت کو ختم کرکے وقت کی آواز پر لبیک کہنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے لئے آمادہ ہونا چاہیئے۔

اصلاح وتعمیر کی ضرورت جن چیزوں میں ہے وہ ہمارے نزدیک حسب ذیل ہیں:

(۱) مذہب

(۲) تعلیم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۳) معاشیات

(۴) سیاست

(۵) معاشرت

اب ہم ان عنوانات پر الگ الگ گفتگو کریں گے لیکن یہ گفتگو بے ترتیب ہوگی۔ چنانچہ سب سے پہلے سیاست کو لیتے ہیں۔

سیاست | سیاست سے مراد پارلیمنٹری سیاست ہے۔ اس سلسلہ میں مسلمانوں میں حسب ذیل تین مختلف نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

(۱) مسلمانوں کو پارلیمنٹری سیاست سے الگ رہنا چاہیئے۔

(۲) مسلمانوں کی سیاسی تنظیم الگ ہونی چاہیئے اور وہ اسی کے ماتحت الکشن میں حصہ لیں۔

(۳) مسلمانوں کو الکشن میں کانگرس کا ساتھ دینا اور اس سے پورا تعاون و اشتراک کرنا چاہیئے۔

ہمارے نزدیک یہ تینوں نظریات غلط اور ذہنی و دماغی افلاس کا نتیجہ ہیں۔ جو لوگ اس بات کے حامی ہیں کہ مسلمانوں کو پارلیمنٹری سیاست سے الگ رہنا چاہیئے ان میں دو قسم کے حضرات ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کا خیال ہے کہ مسلمان پارلیمنٹری سیاست میں حصہ لیتے ہیں تو نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ۔ ملک کی سیاسی پارٹیوں کی باہمی رقابت اور دشمنی میں ایک فریق وہ بھی بن جاتے ہیں اور چونکہ وہ ملک کے جسم کا عضو ضعیف ہیں اس بنا پر جنگ ان پارٹیوں میں ہوتی ہے۔ لیکن نزلہ مسلمانوں پر گرتا ہے اور فسادات ہوتے ہیں۔ اگر مسلمان ملکی سیاست سے الگ ہو جائیں گے تو کسی پارٹی کے لئے یہ داعیہ نہیں رہے گا کہ مسلمانوں کے ووٹ حاصل کرنے یا کسی پارٹی کے حق میں ووٹ دینے سے باز رکھنے کی غرض سے فسادات برپا کرائے۔ یہ تو ہوئی ایک قسم۔ اس کے علاوہ دوسری قسم ان حضرات کی ہے جن کی رائے یہ ہے کہ پارلیمنٹری سیاست کا پورا ڈھانچہ، اس کے اغراض و مقاصد، اور اس کا طریق کار یہ سب غیر شرعی اور غیر اسلامی ہے اس بنا پر مسلمانوں کے لئے اس میں حصہ لینا جائز نہیں ہے۔ اگر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سنجیدگی اور کھلے دماغ سے سوچا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ دونوں قسمیں مریض ذہنیت کا شکار ہیں۔ کسی ملک میں رہنا، اس کے فوائد اور منافع سے فائدہ اٹھانا اور پھر اس کی سیاست سے بے تعلق رہنا بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ اپنے مکان میں رہتے ہیں، اس میں جو آسائشیں اور سہولتیں ہیں، ان سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔ لیکن اس کا انتظام اور اس کی دیکھ بھال یہ سب کچھ دوسروں کے حوالہ کر رکھا ہے کہ وہ چاہے سیاہ کریں یا سپید۔ بہرحال آپ اس میں دخل نہیں دیں گے۔ اور پھر دوسرے بھی کیسے؟ یہ وہ لوگ ہیں، جن سے آپ کے تعلقات خوشگوار نہیں ہیں۔ اور جن کی عقل اور رائے پر کچھ زیادہ بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔

اگر "الخلق عیال اللہ" کے ارشاد کے مطابق یہ صحیح ہے کہ دنیا کے تمام انسان، اختلاف رنگ ونسل کے باوجود اللہ کے عیال ہیں اور اس بنا پر شہداء للناس کی حیثیت سے ان کی ہر ممکن خدمت کرنا مسلمانوں کا فریضۂ ملی اور اخرجت للناس کے مطابق ان کا مقصد وجود ہے تو مسلمانوں کو خواہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی کہ وہ ابنائے جنس سے الگ تھلگ رہ کر خلوت پسندی اور علیحدگی کی زندگی بسر کریں۔ انھیں لازمی طور پر دوسروں کے ساتھ مل جل کر رہنا اور رائج الوقت طریقوں سے کام لے کر خدمت بنی نوع انسان کا سروسامان کرنا ہے۔ اللہ اور رسول کی طرف سے ان کا فرض ہے کہ جو لوگ گم کردہ راہ ہیں ان کو سچائی اور نیکی کی راہ دکھائیں، جو مظلوم ہیں ان کی چارہ جوئی کریں، جو جاہل ہیں ان کے لئے تعلیم کا، جو بھوکے اور ننگے ہیں ان کے لئے غذا اور لباس کا، جو بیمار ہیں ان کے لئے دوا اور علاج کا بندوبست کریں۔ جن کے ساتھ انصاف نہیں ہو رہا ہے اور وہ جبر وتشدد کا شکار ہیں ان کی گلوخلاصی اور دادرسی کا انتظام کرنا، از روئے قرآن وسنت نبوی مسلمانوں کا یہ وہ فرض ہے جس کو چند در چند تاریخی، سیاسی اور تمدنی اسباب کے باعث وہ صدیوں سے فراموش کئے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ اس مدت میں ان کی سوسائٹی امتیازی (Aristocratic) رہی ہے۔ وہ تو خدا بھلا کرے صوفیائے اسلام کا کہ ان کی عوامی زندگی کسی حد تک اس نقصان کی تلافی کرتی رہی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

موجودہ زمانہ میں عوام کی خدمت کا سب سے بہتر ذریعہ جمہوریت ہے۔ کیونکہ اس طرح حکومت دراصل انھیں کی یعنی ان کے منتخب نمائندوں کی ہوتی ہے۔ وہ جب چاہیں اس حکومت کو ختم کر سکتے ہیں اور چونکہ جمہوریت کے سارے کاروبار کا دارومدار پارلیمنٹ، کونسلوں اور اسمبلیوں پر ہوتا ہے اس بنا پر یہ ثابت ہوا کہ ایک جمہوری نظام میں خدمت انسانی کی بڑی موثر اور اہم راہ پارلیمنٹ کی ممبری ہے۔ پس جب ایسا ہے تو ایک مسلمان کے لئے اس سیاست سے الگ رہنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ اس موقع پر مسلم اور غیر مسلم کی بحث اٹھانا اور یہ کہنا کہ غیر مسلموں کی عظیم اکثریت میں چند مسلمان کیا کر سکتے ہیں؟ فضول اور بے محل ہے۔

اقبال کا یہ قول:

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اگر محض شاعری نہیں بلکہ حقیقت ہے اور ارشاد ربانی "کَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً" ایک ابدی صداقت ہے تو میرے نزدیک تعداد کے نقطۂ نظر سے سوچنا بھی اسلام کی اصل اسپرٹ اور روح کے پیش نظر ایک ذہنی اور فکری معصیت اور شکست خوردہ ذہنیت کی علامت ہے۔ کوئی حق بات اگر کمال خلوص وللہیت سے محض خیر سگالی کے جذبہ سے طلاقت وبلاغت کے پیرایہ میں کہی جائے اور بار بار کہی جائے تو اس کا اثر ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے۔ آج نہیں ہوگا، کل ہوگا۔ اور اگر بالفرض نہیں بھی ہوا تو کیا اس کا فائدہ یہ کم ہے کہ آپ اظہار و اعلان کر کے من رای منکم منکرا الحدیث کے مطابق اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔

یہ خیال کہ مسلمان پارلیمنٹری سیاست سے الگ رہیں گے تو فسادات کے انسداد میں مدد ملے گی۔ سرتاسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ کیونکہ فسادات کا علاج کوئی منفی طریق عمل نہیں بلکہ ایجابی سیاست اور حرکی عمل ہے۔ جن لوگوں کو مسلمانوں کے ساتھ، ان کے مذہب اور ان کی ثقافت کے ساتھ بیر ہے۔ ان کے نزدیک تو مسلمانوں کا نفس وجود ہی ناقابل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

برداشت ہے۔

وجودک ذنبٌ لایقاس بہٖ ذنبٌ

ان شیطانوں کا علاج ہی یہ ہے کہ ایجابی سیاست کے ذریعہ ان کو پبلک کے سامنے ایسا برہنہ کردیا جائے کہ ہر شخص ان کو دیکھ کر گھن کرنے لگے۔

رہی نظام شرعی والی بات! تو یہ خوب اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اصولاً یہ بات ہی غلط ہے کہ جب تک کسی ادارہ کا نظام شرعی نہ ہو مسلمان اس میں شریک نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اگر یہ نظریہ صحیح مان لیا جائے تو منطقی طور پر اس سے دور لازم آتا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ کسی نظام کا شرعی ہونا موقوف ہے اس بات پر کہ مسلمان اس میں شریک اور دخیل تو ہوں اور مسلمانوں کا شریک و دخیل ہونا موقوف ہے اس نظام کے شرعی ہونے پر۔ فتدبر وتفکر۔

تفسیر مظہری اردو جلد ہشتم

پارہ اقترب للناس اور قد افلح المومنون

اس جلد میں سورۂ انبیاء، سورۂ حج، سورۂ مومنون اور سورۂ نور کے ۲ رکوع تک ترجمہ آگیا ہے۔ کتاب ندوۃ المصنفین کے معیار کے مطابق۔ بڑی تقطیع $\frac{22 \times 29}{8}$ سائز۔ کتابت و طباعت بہتر کاغذ عمدہ دبیز۔

ہدایہ: بلا جلد چودہ روپے
مجلد سولہ روپے

ملنے کا پتہ: ندوۃ المصنفین اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

© rasailojaraid.com